SHEHRI

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہریوں کا ایک چھوٹا سا گروہ جو شعور رکھتا ہو، وہ یقیناً دنیا کو بدل سکتا ہے...مارگریٹ میڈ

شہری

برائے بہتر ماحول

جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ء

اندرونی صفحات پر

- پیچیدہ شہری زندگی کا دباؤ
- کراچی میں پانی کا بحران
- پاکستان میں تھیٹر کی تحریک
- گلشن معمار کا تعمیراتی حسن

نوید حسین

کراچی کے پھیلاؤ میں بے تحاشہ اضافہ

بڑے شہروں کا بوجھ کم کرنے کے لئے چھوٹے شہر بسائے جائیں دیہاتوں میں زرعی اصلاحات کی جائیں

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ شہر میں خطرناک حد تک بڑھتی ہوئی غیرقانونی تعمیرات کا ذمہ دار آخری تجزیے میں عام شہری، کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کو ہی قرار دیتے ہیں جو حکومت سندھ کے ماتحت کام کررہی ہے۔ شہریوں کے ایک گروپ کی حیثیت سے شہری یہ مطالبہ کرتا رہا ہے کہ ایک طویل المیعاد "اربن پالیسی" بنائی جائے جو معاشرے کے تمام طبقوں کی ضروریات کا خیال رکھے اور خصوصاً" اس ٦٠ فیصد شہری آبادی کی ضروریات کو پورا کرے جو ان کچی بستیوں میں رہتی ہے جو کے بی سی اے کے دائرہ کار میں نہیں آتیں۔

ہم غیرقانونی تعمیرات کو ان بڑھتی ہوئی رہائشی اور تجارتی ضروریات کے پس منظر میں دیکھتے ہیں جو پاکستان میں آبادی میں مسلسل اور بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے محدود وسائل والا یہ چھوٹا سا ملک، چین اور بھارت کے بعد دنیا میں آبادی میں تیزی سے اضافے کے لئے تیسرے نمبر پر آگیا ہے۔ شہری اور دیہی آبادی پر اس کا حقیقی اثر اس وقت محسوس ہوگا جب افزائش کی شرح صفر ہو جائے گی، ملک کی آبادی ۴۵ کروڑ ہو جائے گی کراچی کی آبادی چار کروڑ سے زائد ہو جائے گی، اور یہ شہر ایک وحدت کے طور پر برقرار نہیں رہ سکے گا۔ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب کراچی سے پشاور تک ہائی وے کے ساتھ ساتھ پورا علاقہ انسانوں سے آباد ہوگا۔

قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کا منظر

> بڑھتی ہوئی شہری ضروریات اور آبادی میں بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی قطعاً" اہل نہیں رہی ، بے گھر افراد خود اس صورتحال سے نمٹ رہے ہیں

کراچی کی آبادی کا تخمینہ پورے ملک کی آبادی کا دس فیصد لگایا جاسکتا ہے۔ اگر کراچی کی موجودہ آبادی کو ساڑھے چودہ کروڑ تسلیم کرلیا جائے تو ۲۰۰۰ء میں بڑھ کر ساڑھے سولہ کروڑ ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آبادی میں فطری اضافے اور دیہی علاقوں سے آبادی کی منتقلی کے نتیجے میں رہائشی مکانات کی طلب میں ٦ فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہوگا۔ اگر ایک شخص کے لئے کم از کم سو مربع فٹ رہائشی جگہ درکار ہو تو شہر کو ہر سال ۸۷ ملین مربع فٹ رہائش سہولتیں فراہم کرنا ہوں گی۔ اگر پانچ منزلہ عمارتیں بھی تعمیر کی جائیں تب بھی ہر سال ایسے ۲۲۰۰ یونٹ درکار ہوں گے۔ اگر کچی آبادیوں میں رہنے والوں کو بھی مکانات فراہم کرنے ہوں تو ہمیں ۸۰۰ ملین مربع فٹ تعمیرات درکار ہوں گی جو تقریباً" ڈھائی لاکھ رہائشی یونٹوں پر مشتمل ہوں گی۔

بڑھتی ہوئی رہائشی ضروریات اور آبادی میں بے تحاشہ اضافے کی وجہ سے حکومت اس مسئلے کو حل کرنے کی قطعاً" اہل نہیں رہی اور بے گھر افراد کو خود اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے اس مسئلے سے عہد برا ہونے کے لئے زمین اور ٹاؤن پلاننگ کی ضرورت ہے اور یہ معاملات کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں۔

اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے نگراں کمیٹی اور کے بی سی اے کو غیرقانونی تعمیرات کو مانیٹر کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ "شہری" اس معاملے کو وسیع تر کینوس پر دیکھتا ہے اور وہ یہ کہ ایک ایسا ماسٹرپلان ہو جس پر منصوبہ بندی کرنے والے، ماہرین تعمیرات، آبادیات کے ماہرین، شہری اقتصادیات، ٹرانسپورٹ اور بنیادی شہری ضروریات کی فراہمی کے ماہرین اور دیگر شعبوں کے ماہرین مل جل کر کام کریں۔

بدقسمتی سے اس ماسٹرپلان ۲۰۰۰ء پر اب تک بہت سا وقت اور لاکھوں ڈالر ضائع ہوچکے ہیں لیکن اس کا کوئی فائدہ

شہری

بی 206، بلاک 2، پی ای سی ایچ ایس
کراچی، پاکستان
ٹیلی فون/فیکس 92-21-453-0646

e-mail/address: shehri @ shehri.s.khi.brain.net.pk

ایڈیٹر : انیس ہارون

انتظامی کمیٹی

چیئرپرسن : قاضی فائز عیسیٰ

وائس چیئرپرسن : رکتوریہ ڈی سوزا

جنرل سیکریٹری : امبر علی بھائی

خزانچی : اسامی خالی ہے

ارکان : نوید حسین، منظور احمد

شہری اسٹاف

کوآرڈی نیٹر : سرمنصور

اسسٹنٹ کوآرڈی نیٹر : محمد ریحان اشرف

شہری ذیلی کمیٹیاں

آلودگی کے خلاف : نوید حسین

تحفظ ورثہ : دانش آزر زوبی
حمیرا رحمن

میڈیا اور بیرونی روابط : حمیرا رحمن، محسن جعفری، فرحان انور

قانون : قاضی فائز عیسیٰ، امبر علی بھائی
رولینڈ ڈی سوزا، وکٹوریہ ڈی سوزا، منظور احمد

پارکس اور تفریح : منظور احمد

مالی حصول : تمام ارکان

ذیلی کمیٹیوں کی رکنیت شہری برائے بہتر ماحول کے تمام ارکان کے لئے کھلی ہے۔ اس اشاعت میں شامل مضامین کو شہری کے حوالے کے ساتھ شائع کرنے کی اجازت ہے۔

ایڈیٹر/ادارتی عملہ کا نیوز لیٹر میں شائع ہونے والے مضامین سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

لے آؤٹ اور ڈیزائن : زیڈ یو لالہ
پروڈکشن : انٹرنیل کمیونیکیشن

مالی تعاون : فریڈرک نومان فاؤنڈیشن

رکن IUCN
دی ورلڈ کنزرویشن یونین

نہیں ہوا۔ اس پلان پر عمل در آمد کا نہ تو سیاسی فیصلہ ہوا ہے اور نہ ہی اسے قانونی تحفظ ملا ہے۔ شہر کے معاملات کو چلانے کے لئے ۲۰ سے زائد ادارے کام کر رہے ہیں ان میں کچھ وفاقی حکومت کو جواب دہ ہیں اور ماسٹر پلان اور حکومت سندھ کے مقاصد کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ ماسٹر پلان کو بڑھتی ہوئی رہائشی ضروریات کے لئے کام کرنا چاہئے اور اس کی منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔

شہری ترقی کے اس پیچیدہ اور کثیرالجہتی کھیل کے شرکاء کے اغراض و مقاصد میں ہم آہنگی' شفاف پن' احتساب اور پیشہ ورانہ مہارت درکار ہے۔ نگراں کمیٹی کے شرکاء کو بھی خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے۔ اس سے غیرقانونی تعمیرات کی تعداد کم سے کم ہوجائے گی۔ "آباد" کو اپنی تنظیم کے اغراض و مقاصد میں واضح طور پر کہنا چاہئے کہ وہ فلیٹس' دکانیں اور تجارتی عمارتیں صرف تعمیرات اور شہری منصوبہ بندی کے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے تعمیر کرے گی۔ پاکستان انجینئرنگ کونسل کو شہریوں کو ایسی بلند و بالا عمارتوں میں رہائش کے خطرات سے بچانا چاہئے جو اسٹرکچرل انجینئرز' اسٹرکچرل ڈرائنگ' معیاری حساب یا ماہرین کی نگرانی کے بغیر تعمیر کی گئی ہیں۔

پاکستان کونسل آف آرکیٹیکٹس اور پاکستان انجینئرنگ کونسل کو ایسے آرکیٹیکٹس اور انجینئرز کے خلاف کارروائی کرنی چاہئے جو غیرقانونی تعمیرات کے سلسلے میں بلڈرز' سیاستدانوں اور افسران کی مدد کرکے وائٹ کالر کرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ ایسے تمام آرکیٹیکٹس اور انجینئرز کے لائسنس عدالت کا فیصلہ آنے تک خود ان کی متعلقہ تنظیموں کو معطل کردینے چاہئیں۔

"شہری" اپنے وکیلوں کی حوصلہ افزائی کرے گی کہ وہ عدالتوں اور کے بی سی اے سے ایسی تمام کثیرالمنزلہ عمارتوں کو غیرقانونی اور رہائش کے لئے خطرناک قرار دلوا کر خالی کروائیں اور انہیں منہدم کروائیں جن کی تعمیر سے قبل زمینی ٹیسٹ نہیں کرائے گئے ہیں اور نقشہ پیشگی منظوری کے لئے پیش نہ کیا گیا ہو۔ قواعد کے تحت کے بی سی اے کے اسٹرکچرل ڈپارٹمنٹ کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ قانونی پہلو کے علاوہ کثیرالمنزلہ عمارتوں کی تعمیری

باقی صفحہ ۱۹ پر

سچائی کا جرم

مجھے خبر ملی کہ میرے ایک دوست نوید حسین کو جن کے ساتھ میرے خاندانی تعلقات ہیں' گولی ماردی گئی ہے اور وہ آغا خان اسپتال میں زخمی حالت میں زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ نوید حسین ایک غیر سرکاری تنظیم "شہری" کے رکن ہیں۔ یہ تنظیم ماحولیات کے تحفظ کے لئے کراچی میں سرگرم عمل ہے۔

"نوید حسین کو کیوں گولی ماردی گئی؟"

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس تباہ حال اور برباد شہر میں جو کچھ بچ گیا تھا' اسے کرپٹ اور حریص لوگوں کی دسترس سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس شہر میں جو کچھ تیزی سے اور ہا تھا وہ اسے روکنے یا کم از کم اس کی رفتار مدہم کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ نوید حسین ذاتی زندگی میں کولی کا شکار نہیں ہوئے' انہیں کسی خونی تنازع کا نشانہ بھی نہیں بنایا گیا۔ یہ کارروائی منتقمانہ بھی نہیں تھی ان پر قاتلانہ حملہ اس لئے کیا گیا کہ دوسرے لوگ اس سے سبق سیکھیں اور وہ کراچی میں ماحولیات کو خراب کرنے کی کارروائیوں میں رکاوٹ نہ بنیں' ان کے کام میں کسی قسم کی رخنہ اندازی نہ کریں۔ اس قاتلانہ حملے سے جو پیغام ہم سب لوگوں کو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ

"ہم قاتلوں کو کوئی خوف وخطر نہیں ہے' ہم سزا اور جزا سے نہیں ڈرتے' ہم جس شخص کو قتل کرنا چاہیں اسے سورج کی روشنی میں قتل کردیتے ہیں اور نالائق اور نااہل وزیروں' ان کے قریبی مشیروں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو موقع دیتے ہیں کہ وہ فاتحہ خوانی پر آئیں اور اخبارات میں چھپوانے کے لئے اپنے فوٹو اتروالیں۔"

اردشیر کاؤس جی

"شہری برائے بہتر ماحول" یہ ادارے کا نام ہے جس کے بانی نوید حسین ان دنوں اسپتال میں اپنی زندگی کی جنگ لڑ رہے ہیں' شہری نے ناجائز تجاوزات کے خلاف اور ضابطے کے منافی بالائی دائر عمارتوں کی تعمیر کے خلاف اس شہر میں بڑی دلیری اور ثابت قدمی سے جنگ لڑی ہے۔ کئی عمارتیں اس کی کوشش سے توڑ دی گئی یا ان کی تعمیر روک دی گئی۔ یہ کام پی ای سی ایچ ایس اور گارڈن کے علاقے میں خاص طور پر ہوا۔ بہت سے تعمیراتی ادارے شہری سے اور خاص طور پر اس کے بانی صدر سے خوش نہیں ہیں۔ کراچی اپنے تین بڑے "ذرائع آمدنی" کے لئے دنیا بھر میں شہرت حاصل کرچکا ہے۔ منشیات کی اسمگلنگ' ناجائز اسلحہ کی تجارت اور زمینوں پر قبضہ' جن کی مدد سے لوگ راتوں رات لاکھوں' کروڑوں روپے کے مالک ہو جاتے ہیں۔

چند روز قبل جب نوید حسین اپنے آفس میں تھے "غالبا" دو افراد آئے ان کے ساتھ ملاقات کی' اِدھر اُدھر کی باتیں کیں پھر ان سے پانی مانگا اور جب وہ پانی کا گلاس لینے کے لئے پلٹے تو ان پر فائر کردیا۔ پانی کا جواب گولی۔ یہ دیدہ دلیری اور انسان دشمنی کی خوفناک مثال ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے مفاد پر زد پڑتی ہے' وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں اور بنیادی انسانی قدروں کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

حسن عابدی

پروفیسر ایس ہارون احمد

پیچیدہ شہری زندگی کا دباؤ!

تیسری دنیا کے ممالک میں شہروں میں تیزی سے آبادی کی منتقلی ایک حقیقت ہے۔ یہ ناگزیر بھی ہے۔ شہری ایجنسیوں نے نہ تو اتنے بڑے پیمانے پر آبادی کی منتقلی کی منصوبہ بندی کی ہے اور نہ وہ اس کے لئے تیار ہیں۔ یہ ماحول کے فطری نظام کی تبدیلی کا آغاز ہے۔

ماحول اور شہری امور ڈویژن کے سروے کے مطابق شہری آبادی میں یہ اضافہ، آبادی کی منتقلی، قدرتی اضافے اور مضافاتی دیہات کی شہروں اور قصبوں میں شمولیت کے باعث ہوتا ہے۔ منتقل ہونے والوں کا رخ زیادہ تر بڑے شہروں کی جانب ہوتا ہے جو پہلے ہی کچی بستیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ موجودہ اطلاعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں تقریباً ۲۳۰۰ کچی آبادیاں ہیں جن کی آبادی تقریباً ۵۵ لاکھ ہے۔ پانچ سال قبل اندازہ لگایا گیا تھا کہ صرف کراچی میں ۴۳۲ ایسی بستیاں تھیں جن میں ۲۴ لاکھ افراد آباد تھے ان بستیوں کا رقبہ ۶۰۰۰ ہیکٹرز تھا۔

کراچی کی آبادی ۶ فیصد سالانہ کی شرح سے بڑھ رہی ہے۔ جبکہ سماجی اور شہری سہولتوں میں صرف ۴.۲ فیصد کی سست رفتار شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ نلوں کے ذریعے پانی اور سیوریج کی سہولتیں صرف ۳۰ فیصد گھروں میں دستیاب ہیں۔ صحت اور معیار زندگی (جسمانی، ذہنی اور سماجی) کا بھی زیادہ تر دارومدار انہی عوامل مثلاً رہائش، پانی، سڑکیں، ٹرانسپورٹ، بجلی، ماحولیاتی آلودگی، ملیریا کنٹرول وغیرہ پر ہوتا ہے، دوسرے عوامل میں جن کی اقوام متحدہ نے نشاندہی کی ہے خوراک کا استعمال اور ملاوٹ، پیشہ، تعلیم، لباس، سماجی تحفظ، تفریحات ور انسانی حقوق کی صورتحال شامل ہیں۔

پاکستان میں ایک سنگین مسئلہ حیاتیاتی آلودگی ہے، جس میں پانی میں انسانی فضلے کی آلودگی بھی شامل ہے۔ ایک جائزے کی تشویشناک رپورٹ کے مطابق جس کی

> بچوں کے خون میں سیسے کی سطح محفوظ حد سے زیادہ ہے جس کا سبب ٹریفک کا دھواں ہے۔ غذا میں ملاوٹ اور جعلی ادویات صورتحال کو بدتر بنا رہی ہیں

فوری طور پر دوسرے محققین کو بھی توثیق کرنی چاہئے، جن بچوں کا جائزہ لیا گیا ان میں سے ۹۲ فیصد بچوں کے خون میں سیسے کی سطح محفوظ حد سے زیادہ تھی۔ جس کا سبب ٹریفک کا دھواں بتایا گیا ہے۔ اندیشہ یہی ہے کہ کراچی تباہ ہونے پر تل گیا ہے۔ صنعتی آلودگی بلا روک ٹوک جاری ہے۔ عام آدمی اس بڑے حملے کو اپنی صحت سے منسلک نہیں سمجھتا جبکہ حکام جان بوجھ کر اس مسئلے کو دبانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غذا میں ملاوٹ، جعلی ادویات اور نیم حکیموں کا ہر جگہ دوردورہ ہے اور خواہ کتنے ہی قوانین بنا لئے جائیں۔ کرپشن اور مجرمانہ بدانتظامی کے سبب وہ غیر موثر ہی رہتے ہیں۔

صحت کی سہولتوں کی فراہمی کے نظام میں خواہ کتنی ہی توسیع کردی جائے، صحت عامہ کی صورتحال تبدیل نہیں ہوگی تاوقتیکہ بنیادی اسباب پر مناسب توجہ نہ دی جائے، بلدیاتی ادارے جو انتظامی اور حفاظتی سرگرمیوں کے ذمہ دار ہیں صرف فوری طور پر نظر آنے والے اور سیاسی طور پر فائدہ پہنچانے والے اداروں مثلاً اسپتالوں اور ڈسپنسریوں کے لئے کام کر رہے ہیں۔

صحت کو درپیش ظاہر و نمایاں خطرات کا تعلق انسان کی اس حیرت انگیز صلاحیتوں سے ہے جن کی مدد سے وہ انتہائی غیر فطری اور نامساعد ماحول میں بھی زندہ رہتا ہے اور کام کرتا ہے۔ پانی، بجلی، ٹرانسپورٹ اور رہائش کے مسائل جیسے شدید دباؤ تو اپنی جگہ ایک مستقل احساس عدم تحفظ انسانی جان کو خطرہ نے صورتحال کو بدتر بنا دیا ہے۔

ذہنی بیماری

جسمانی بیماری خواہ شدید یا پرانی ہو، معذور کرنے والی یا دائمی ہو، اس پر توجہ دی جاتی ہے ہمدردی اور تشویش کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن ذہنی بیماری کے یا تو وجود سے ہی انکار کردیا جاتا ہے یا اسے نظرانداز کردیا جاتا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پاکستان سمیت ترقی پذیر ممالک میں ایک فیصد آبادی (ایک کروڑ افراد) معمولی سے لے کر درمیانے درجے کے ذہنی امراض میں مبتلا ہیں۔ منشیات کے بارے میں ایک سروے کے مطابق پاکستان میں ۱۹ لاکھ افراد باقاعدگی سے منشیات استعمال کر رہے تھے۔ منشیات نے ہر گیارہویں گھر کو اور ۱۵ سے ۶۰ سال عمر کے ہر ۴۵ میں سے ایک مرد کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہے۔ پاکستان میں تقریباً ایک فیصد بچے کسی نہ کسی حد تک ذہنی طور پر معذور ہیں اور اس سے بھی زیادہ مرگی اور غیر متوازن رویوں کا شکار ہیں۔

نفسیاتی انتشار

ہر معاشرے میں جسمانی یا ذہنی طور پر بیمار لوگوں کا ایک حصہ ہوتا ہے جس کا انحصار اس معاشرے کی ترقی کی صورتحال اور معاشی حیثیت پر ہوتا ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ شہر کی پیچیدہ زندگی کا دباؤ طرز عمل اور طرز زندگی دونوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ صورتحال سے عدم مطابقت کی وجہ سے رویئے اور طرز عمل میں نقص پیدا ہو جاتا ہے

باقی صفحہ ۱۰ پر

شہری کا موقف

کراچی میں پانی کا بحران

حکومت سندھ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کو نجی شعبے میں دینے کے درپے ہے' ایک شہری تنظیم نے اس طریقہ کار کو چیلنج کیا ہے اور متعلقہ حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ اس عمل پر نظرثانی کی جائے

کراچی کا ایک چوتھائی سے زائد حصہ اب بھی پائپ کے ذریعے پانی کی فراہمی سے محروم ہے۔ نلوں کے ذریعے بھی پانی کی فراہمی ناکافی اور کبھی کبھار ہوتی ہے۔ پانی میں آلودگی اور سیوریج ابلنے کی وجہ سے تمام شہریوں کی صحت کو خطرہ ہے۔ تقریباً" تمام سیوریج دریاؤں اور سمندر کو زہر آلود بنا رہا ہے۔ کسانوں اور ماہی گیروں کو روزی سے محروم کررہا ہے اور بلاسبب فطرت کو تباہ کر رہا ہے۔

بڑھتی ہوئی نااہلی اور کرپشن کے باعث کم از کم آدھے سے زیادہ فراہم کیا جانے والا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اسے ٹینکر مافیا مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ زیادہ تر صارفین سے پانی کے بل وصول نہیں ہو پاتے' افرادی لاگت زیادہ ہے۔ چنانچہ کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کو اپنے اخراجات پورے کرنے' قرض کی ادائیگی اور دیکھ بھال اور مرمت کے کاموں کے اخراجات کے لئے عبوری زرتلافی اور گرانٹس پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

اربوں روپوں کے واجب الادا قرضوں کے باوجود کے ڈبلیو ایس سروسز اور مالیات کے بحران کا شکار ہے۔ یہ مسائل برسہابرس سے اپنی سماجی ذمہ داریوں سے پہلوتہی کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ تباہ کن بات یہ ہے کہ ادارے میں سیاسی موقع پرستی اور عوامی وسائل کی کھلی لوٹ کھسوٹ کی گئی۔

جامع اصلاحات کی ضرورت

ان مسائل کا ایک جامع اور مستقل حل تین اصولوں پر مبنی ہونا چاہئے۔ اول' یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کو بنیادی خدمات کی ایک معقول سطح پر فراہمی کو یقینی بنائے۔ دوسرے' کم لاگت منصفانہ تقسیم کے لئے ضروری ہے کہ تقسیم کے نظام میں بنیادی اصلاحات کی جائیں اور ادارے کی کارکردگی کو مانیٹر کیا جائے۔ تیسرے' یہ کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے پرائیویٹائزیشن نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی کافی۔

پرائیویٹائزیشن کی تنگ نظر حکمت عملی

بین الاقوامی مشورے پر عمل کرتے ہوئے حکومت سندھ نے کے ایس ڈبلیو بی میں اصلاحات کو صرف زیادہ سے زیادہ پرائیویٹائزیشن تک محدود کردیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اصلاحات کی سرکاری حکمت عملی کے نتیجے میں اثاثوں کے بجائے تجارتی قرضوں کا بوجھ بڑھے گا اور بین الاقوامی سرمائے کے چکر میں رہی سہی کارکردگی بھی قربان ہو جائے گی۔ کم آمدنی والے گھرانے پھر بھی پانی کی سپلائی کے سلسلے میں سب سے آخری ترجیح ہوں گے۔ نہ سیوریج کی سہولتوں میں اضافہ ہوگا اور نہ ہی دریاؤں اور سمندر میں آلودگی کم ہوگی۔ آئندہ پانچ برسوں میں پانی کی شرح میں ۳۰۰ فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ صارفین پر ڈالے جانے والے اس بھاری بوجھ کو بہتر کارکردگی اور بہتر خدمات سے بھی مشروط نہیں کیا گیا ہے۔ عملے کی تعداد آدھی کی جارہی ہے لیکن یہ وعدہ بھی نہیں کیا جارہا ہے کہ لیبر کی لاگت میں بھی اتنی ہی کمی ہوگی۔ پرائیویٹائزیشن کے پانچ سال بعد بھی اگر پانی کی ایک تہائی مقدار لیکیج اور چوری کی نذر ہوتی رہی تو موثر آب رسانی کا نظام محض سراب ہی رہے گا۔ ۱۹۹۸ء کے وسط سے کے ڈبلیو ایس بی کا پورا نظام کثیرالقومی کمپنیوں کو مفت میں حوالے کردیا جائے گا اس کے عوض وہ مطلوبہ سرمایہ کاری کا محض دس فیصد حصہ فراہم کریں گی۔ تاہم صارفین کو نہ صرف ان کا بھاری منافع بلکہ موجودہ اور آئندہ قرضوں کے اربوں روپے بھی ادا کرنے

نااہلی اور کرپشن کے باعث کم از کم آدھے سے زیادہ فراہم کیا جانے والا پانی ضائع ہو رہا ہے اور اسے ٹینکر مافیا مہنگے داموں فروخت کرتا ہے

پڑیں گے۔

پرائیویٹائزیشن کے بعد خدمات کو بہتر بنانے کی بھی کوئی ضمانت نہیں لی گئی ہے۔ بجائے اس کے کہ مرکزیت کو ختم کرکے مقامی لوگوں کی شراکت سے نظام کو مزید موثر اور منصفانہ بنایا جائے تمام آبی خدمات پر نجی اجارہ داری مسلط کردی جائے گی۔

یہ کہنا درست ہوگا کہ حکومت نے ایک انتہائی غلط اصلاحی حکمت عملی کی توثیق کی ہے۔ غیرملکی کنسلٹنٹ غیرمناسب اور خودغرضانہ مشورے ہی دیں گے جن کے نتائج سماجی اعتبار سے شہر کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ بین الاقوامی قرضے دینے والوں کے نسخے پر آنکھ بند کرکے عمل کرتے وقت ہم ماضی کے سبق کو بھول جاتے ہیں۔

بحث اور منظوری

یہ بات تو واضح ہے کہ کے ڈبلیو ایس بی کو ماضی کی طرح معمول کے مطابق اپنا کاروبار چلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح کردینا ضروری ہے کہ آبی خدمات کے بحران کا مناسب اور پائیدار حل جلدبازی میں کی جانے والی پرائیویٹائزیشن بھی نہیں ہے۔ **تنگ نظر سرکاری حکمت**

باقی صفحہ ۱۹ پر

ضوفین ابراہیم

تھیٹر

پاکستان میں تھیٹر کی تحریک

"لال قلعہ سے لالو کھیت" میں پہلی بار مہاجروں کے مسائل کی نشاندہی کی گئی تھی

پاکستان میں تھیٹر کی تاریخ کا غالبا" سب سے پہلا کھیل خواجہ معین الدین کا "لال قلعہ سے لالو کھیت" تھا۔ یہ کھیل بہت مقبول ہوا۔ کیونکہ یہ کراچی کے باشندوں اور خصوصا" مہاجرین کو درپیش مسائل کے بارے میں تھا۔ یہ کھیل ان کی امیدوں' آرزوؤں' دکھوں اور مایوسیوں کے بارے میں تھا۔ ایک جرمن شہری سیگرڈ کمپلے جو ۱۹۵۳ء میں کراچی آیا تھا اور ڈرامے کی ہدایت کاری کرتا تھا کہتا کہ "اصل مہاجر جو لالوکھیت میں غربت اور پسماندگی کی زندگی گزار رہے تھے ایک روپے کا نوٹ لے کر تھیٹر دیکھنے آتے تھے اور جب ٹکٹ فروخت ہو جانے کی وجہ سے انہیں لوٹنا پڑتا تھا تو وہ بہت مایوس ہوتے تھے"۔

کمال احمد رضوی کا کہنا ہے کہ "میں اب بھی تھیٹر کر رہا ہوں اور خود کو بے وقوف بنا رہا ہوں۔" کمال احمد رضوی صرف سات آٹھ برس کے تھے جب بہار میں انہوں نے پہلی بار تھیٹر دیکھا۔ اور وہ اس سے اتنے مسحور ہوئے کہ اسی کو اپنا پیشہ بنالیا۔ گزشتہ تقریبا" پچاس برسوں کے دوران ناکامیوں اور مایوسیوں کے باوجود وہ اب بھی اسی راہ پر گامزن ہیں اور تھیٹر کرتے ہیں۔

دوسری جانب منصور سعید کے لئے تھیٹر کبھی ایک شدید خواہش اور جذبہ نہیں رہا وہ تو بس اسے اپنے سیاسی نظریات اور سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کے لئے ایک ذریعے (میڈیم) کے طور پر استعمال کرتے تھے تاکہ عوام میں شعور پیدا کیا جاسکے۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں انہوں نے

> **ممتاز فنکاروں کا خیال ہے کہ ہمارے ہاں طبع زاد کہانی نویس بہت کم ہیں' ہمارے کھیل زیادہ تر ماخوذ ہوتے ہیں**

"دستک" گروپ قائم کیا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے اس کا آغاز کیا ہو لیکن وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ یہ مکمل طور پر انہی کا آئیڈیا تھا۔ دراصل کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے سوئے ہوئے ذہنوں کو جھنجھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ بہت کٹھن وقت تھا کیونکہ ضیاء الحق کی آمریت کا دور تھا۔ "دستک" میں بہت سے غیرکیو[illegible] بھی شامل ہوگئے تاکہ وہ بھی فنکارانہ سرگرمیوں میں حصہ لے سکیں اور سیاسی فکر اور تحریک کو آگے بڑھاسکیں۔

"قاضی واجد' عمران اسلم' راحت کاظمی' کمال احمد رضوی' خالد احمد' ضیاء محی الدین اور دوسرے سبھی لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں تھیٹر پھل پھول نہیں سکتا کیونکہ یہاں کہانی نویس نہیں ہیں ہم اب تک جو کچھ کرتے رہے ہیں اور حتیٰ کہ اب بھی جو کچھ کر رہے ہیں وہ محض ماخوذ ہے اصل کہانی نہیں۔ راحت کاظمی کا کہنا ہے کہ "تھیٹر کے لئے طبع زاد کہانیاں چند ایک ہی لکھی گئی ہیں ہم زیادہ تر اصل

کہانی میں ردوبدل کر کے ہی پیش کرتے ہیں۔" بعض لوگوں نے محسوس کیا کہ جن موضوعات کا انتخاب کیا جاتا ہے وہ ہمارے حقیقی مسائل کا احاطہ نہیں کرتے۔

پاکستان میں تھیٹر کرنے کے معنی یکے بعد دیگرے حکومتوں سے نبرد آزما ہونا اور ان کی ناروا پابندیوں مثلاً متعدد این او سی حاصل کرنا، پولیس اور ایکسائز سے کلیئرنس لینا اور سنسرشپ کی پابندیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں کے دوران اسی لئے ہمارے ہاں تھیٹر پنپ نہیں سکا جبکہ سرحد پار ہمسایہ ملک میں اس نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی ہے۔ وہاں سینکڑوں گروپ سرگرم عمل ہیں۔ اکادمیاں اور ادارے قائم ہیں اور ملکی روایات کو بڑی مہارت اور کامیابی کے ساتھ جدید تیکنیک کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ بنگلہ دیش میں ایک ہزار سے زائد رجسٹرڈ تھیٹر گروپ ہیں۔ صرف ڈھاکہ میں دو سو سے زائد گروپ باقاعدہ طور پر سال کے ہر دن بلاناغہ پرفارمنس دے رہے ہیں۔

سماجی، اخلاقی اور ماحولیاتی پیغامات کی ترسیل

مرحوم علی احمد نے تقسیم سے قبل ہندوستان میں تھیٹر کو مزدور تحریک کے ایک حصے کے طور پر شروع کیا تھا۔ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا تھا کہ "ہم تھیٹر کو ایک وسیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ ہم جو کچھ محسوس کرتے ہیں اسے

تھیٹر ابلاغ اور اظہار کا ایک انتہائی طاقتور وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں تھیٹر پر پیشکش سے پہلے ہی سنسرشپ کی پابندی عائد ہے

تھیٹر بچوں کی تربیت کا ایک موثر وسیلہ بن سکتا ہے

عوام تک پہنچایا جاسکے۔ میرے نزدیک تھیٹر سماج کو بدلنے کا ایک موقع فراہم کرتا ہے۔ تھیٹر ابلاغ اور اظہار کا ایک انتہائی طاقتور وسیلہ ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں صرف تھیٹر ہی وہ صنف ہے جس پر پیشکش سے پہلے ہی سنسرشپ کی پابندی عائد ہے"۔

آج کے دور میں جب ہم بامقصد تھیٹر کی بات کرتے ہیں تو صرف یاسمین اسمٰعیل اور ان کا گرپس تھیٹر ہی اس کے نزدیک نظر آتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "جرمن زبان میں گرپس کا مطلب دماغ لڑانا یا ذہنی مشق ہے۔ یہ کھیل بچوں کے بارے میں ہوتے ہیں جو بہت اسمارٹ ہوتے ہیں اور اپنی ذہانت سے اپنے والدین کو خود کو احمق سمجھنے پر مجبور کر دیتے ہیں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے کھیل طنزیہ اور توہین آمیز ہوتے ہیں۔ لیکن وہ بڑے حریفانہ انداز میں کہتی ہیں کہ ان کے کھیل بے مقصد اور لایعنی نہیں ہوتے۔ تھیٹر تعلیم کا ایک ذریعہ ہے اگر میں اس کے ذریعے بنیادی سطح تک رسائی حاصل کرسکوں اور انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں ہی سوچنے پر آمادہ کرسکوں تو اس نسل کے لئے جسے ہم نے بہت بری طرح بگاڑ دیا ہے یہ دنیا رہنے کی بہتر جگہ بن سکتی ہے۔ گرپس کے کھیل زیادہ تر ان مسائل پر توجہ دیتے ہیں جن سے ہمارا آج کا شہری معاشرہ دوچار ہے۔

اچھا تھیٹر اثر چھوڑتا ہے

بعض لوگ اپنے تھیٹر کو "احتجاج کا تھیٹر" یا "سیاست کا تھیٹر" قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس کچھ گروپ پکے تھیٹر والوں کے ہیں جو متوازی تھیٹر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ کبھی کبھار ہی کام کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ تو گلی کے تھیٹر کے طور پر کام کرتے ہیں۔ لاہور میں گزشتہ دس برسوں سے "اجوکا" سماجی حقیقتوں کی عکاسی کرتا چلا آرہا ہے۔ وہ آبادی میں بے تحاشا اضافے، دیہی زندگی کی پیچیدگیوں کی مثالوں، بنیادی سہولتوں کے فقدان "وٹہ سٹہ" کی مذموم رسم جیسے معاملات کی بات کرتے ہیں۔

اسٹریٹ تھیٹر کی قوت

۱۹۸۷ء میں نوجوانوں کا ایک گروپ "اجوکا" سے الگ ہوگیا اور اس نے "پنجاب لوک رہس" کے نام سے اپنا ایک الگ گروپ قائم کرلیا۔ جو چیز انہیں دوسروں سے منفرد کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے کھیل پنجابی زبان میں کرتے ہیں، کبھی کامیڈی نہیں کرتے اور زیادہ تر سنجیدہ موضوعات پر کھیل کرتے ہیں جن میں ایک واضح سماجی پیغام ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک کھیل کیا تھا جو زیادتی کا نشانہ بننے والی خواتین اور ان کے ساتھ معاشرے کے سلوک کے موضوع پر تھا۔ انہوں نے چند

باقی صفحہ ۲۲ پر

خالد احمد اور شیما کرمانی کے ڈرامے کا ایک منظر

امان اللہ میمن و سلام اللہ میمن

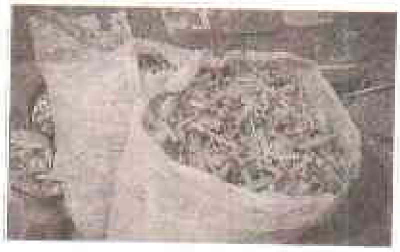

اسپتالوں میں استعمال شدہ سرنجوں کا کاروبار

آج کل ایڈز اور یرقان کی مختلف شکلوں کے اسباب اور اثرات کے بارے میں عوام میں شعور و آگہی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ان بیماریوں کے انسانوں میں پھیلنے کا ایک بڑا سبب استعمال شدہ آلودہ سرنج کا استعمال بھی ہے۔ شہر کے چند اسپتالوں کے سوا جو کچرے کو جلانے والی بھٹیاں استعمال کرتے ہیں، بیشتر اسپتالوں کا کچرہ اسپتال کی چاردیواری کے اندر ہی یا قریب بنی ہوئی کچرہ کنڈی (ڈسٹ بن) میں پھینک دیا جاتا ہے۔ حال ہی میں "بزنس ریکارڈ" میں شائع ہونے والے ایک سروے میں بتایا گیا کہ نیو کراچی، بوتل گلی، افراسیاب کالونی اور لائٹ ہاؤس کے تقریباً" تیس سے زائد تاجر استعمال شدہ ڈسپوز ایبل (پھینک دی جانے والی) سرنجیں کباڑیوں سے خرید کر انہیں دوبارہ استعمال کے لئے نئے سرے سے پیک کردیتے ہیں۔

سروے میں بتایا گیا کہ شہر کے کچھ بڑے اسپتالوں جن میں سرکاری اور پرائیویٹ دونوں شامل ہیں کی انتظامیہ بھی شعوری طور پر یا لاعلمی میں اس مذموم کاروبار میں شریک ہے۔ کراچی شہر کے چند بڑے پرائیویٹ اسپتالوں میں کچرے کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں ایک ماحولیاتی سروے کے نتیجے میں یہ انکشاف ہوا کہ ان اسپتالوں میں استعمال شدہ ڈسپوزل سرنجوں کی (جن کی سوئیاں نہیں توڑی جاتیں) فروخت کا کاروبار جاری ہے۔

ابتداء میں سینئر اسٹاف نے ہمیں بتایا کہ سرنجیں ناکارہ کردی جاتی ہیں ان کی سوئیاں توڑ دی جاتی ہیں اور انہیں بھٹی میں جلا دیا جاتا ہے۔ تاہم جب ہم نے بھٹی کا معائنہ کیا (جو اس وقت کام کر رہی تھی) سب سے پہلے تو ہمیں بھٹی کا اتنا چھوٹا سائز دیکھ کر حیرت ہوئی جو اتنے بڑے اسپتال کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ناکافی تھی۔ ہمیں یہ دیکھ کر دوسری حیرت کا سامنا کرنا پڑا کہ جلائے جانے والے کچرے میں کوئی سرنج نظر نہیں آرہی تھی۔ جب ہم نے اس بارے میں متعلقہ اہلکار سے پوچھا تو اس نے جواب دیا "بابو۔ سرنجیں نہیں جلائی جاتیں، بلکہ انہیں الگ کرکے ٹھیکیدار کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے اس سے اچھی خاصی رقم ملتی ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں ہم اپنی روزی جلا ڈالیں۔" یہ پریشان کن اطلاع ملنے پر جب ہم نے اسپتال کے انتظامی عملے سے رجوع کیا تو انہوں نے سرے سے ہی انکار کردیا کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔

ہم نے اپنی تحقیقات کا رخ تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے اپنے ایک دوست سے مدد مانگی جس نے ایک دوا ساز کمپنی کے نمائندے کی حیثیت سے کچرے کو ٹھکانے لگانے والے ملازم سے ملاقات کی اور اس سے ڈسپوزایبل سرنجیں خریدنے کی پیشکش کی۔ وہ اہلکار اسے فوراً" ہی بھٹی کے قریب بنے ہوئے کمرے میں لے گیا جو استعمال شدہ سرنجوں (جنہیں ناکارہ نہیں کیا گیا تھا) اور بوتلوں ڈرپ وغیرہ سے بھرا ہوا تھا اور وہ سب فروخت کے لئے تھیں' اس اہلکار نے ہمارے دوست کو اسپتال کے ٹھیکیدار کا نام اور ٹیلی فون نمبر بھی بتایا اور پیشکش کی کہ وہ ڈسپوزایبل اشیاء کی سو بوریاں فراہم کرسکتا ہے۔ اس نے ہمارے دوست کو بتایا کہ وہ اسے دوسرے مقامی اسپتالوں کے بھی متعلقہ آدمیوں سے ملوادے گا جو یہ کاروبار کرتے ہیں۔

عوام کی زندگیاں بچانے کے ذمہ دار ادارے موت کی سوداگری کے کھیل میں شریک ہیں

یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ ادارے جو عوام کی زندگیاں بچانے کے ذمہ دار ہیں موت کی سوداگری کے اس کھیل میں شریک ہیں۔ ان اسپتالوں کی اعلیٰ ترین انتظامیہ کو (اگر وہ خود اس میں ملوث نہیں ہے) اس صورتحال کا فوری خاتمہ کرنا چاہئے اور حکومت کو بھی اس انتہائی سنگین مسئلے پر فوری توجہ دینی چاہئے۔

(امان اللہ اور سلام اللہ میمن انجینئرنگ کے طالب علم ہیں)

ایڈیٹر کا نوٹ

شہر کے بیشتر اسپتالوں میں کچرے کو بہ حفاظت ٹھکانے لگانے کا معقول انتظام نہ ہونے کی وجہ سے گزشتہ کئی برسوں سے اسپتالوں کے ضرر رساں کچرے کو غیر مناسب طور پر پھینک دینے کا مسئلہ خطرناک حد تک سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ "شہری" نے کسی اسپتال کا نام لئے بغیر اس سنگدلانہ اور غیر انسانی نوعیت کے مذموم کاروبار کی نشاندہی کی ہے۔ کوئی بھی شخص یا تنظیم جو اس مسئلے کو متعلقہ حکام کے سامنے پیش کرنے یا کسی فورم پر اس پر بحث کی خواہش مند ہو وہ بخوشی "شہری" سے رابطہ قائم کر سکتی ہے۔ عوامی تنظیم کے اس سنگین مسئلے کے بارے میں ہم ہر ممکن مدد کے لئے تیار ہیں۔

ایڈیٹر

شہری کا ساتواں سالانہ اجلاس عام

"شہری" کے ساتویں سالانہ اجلاس عام کے ایجنڈے میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔

۱۔ ۱۹۹۶ء میں شہری کی سرگرمیوں کے بارے میں جنرل سیکریٹری کی رپورٹ۔

۲۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۶ء کو ختم ہونے والے سال کے لئے آڈٹ شدہ حسابات کی منظوری۔

۳۔ سال ۱۹۹۷ء کے لئے آڈیٹرز کے تقرر اور معاوضے کی منظوری۔

۴۔ چیئرپرسن، وائس چیئرپرسن، جنرل سیکریٹری، خازن اور مینجنگ کمیٹی کے تین ارکان کا انتخاب۔

شہری برائے بہتر ماحول کے چیئرپرسن قاضی فائز عیسیٰ نے اجلاس کی صدارت کی۔ انہوں نے ۱۹۹۶ء کے دوران شہری سرگرمیوں کی رپورٹ پیش کی۔ شرکاء کو شہری کی مختلف سب کمیٹیوں کی سرگرمیوں کے بارے میں بتایا گیا۔ میڈیا اور بیرونی روابط سب کمیٹی کی رپورٹ بھی پیش کی گئی اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا گیا کہ مالی تنگی کی وجہ سے "شہری" کے سندھی نیوزلیٹر کا سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ یہ بھی بتایا گیا کہ شہری کے نیوزلیٹرز مقبول ہو رہے ہیں اور ان کے قارئین کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

اجلاس میں بتایا گیا کہ شہری کی قانونی سب کمیٹی نے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی اور دیگر متعلقہ شعبوں سے مسلسل رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ مسٹر واجد علی رانا نے کے بی سی اے کی کارکردگی پر نظر رکھنے کے لئے ایک نگراں کمیٹی قائم کی تھی جس میں شہریوں کے نمائندوں، شہری، پیشہ ورانہ تنظیموں اور ماہرین کو نمائندگی دی گئی تھی۔ اجلاس کو یہ بھی بتایا گیا کہ شہری کی انسداد آلودگی سب کمیٹی نے گاڑیوں اور پاور پلانٹس سے پیدا ہونے والی آلودگی کے مسائل کے بارے میں سیمینار منعقد کئے تھے، ان سیمیناروں کی کامیابیوں کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ اجلاس میں کراچی کی حکومت میں شہریوں کا کردار کے موضوع پر منعقد کرائے جانے والے سیمینار کے اغراض و مقاصد اور کامیابیوں پر بھی روشنی ڈالی گئی۔

سال ۱۹۹۶ء کے آڈٹ شدہ حسابات پڑھ کر سنائے گئے اور شرکاء میں ان کی نقول تقسیم کی گئیں۔ ۱۹۹۷ء کے لئے آڈیٹرز کے معاوضے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔

چیئرپرسن، وائس چیئرپرسن، جنرل سیکریٹری اور مینجنگ کمیٹی کے تین ارکان کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔ شہری برائے بہتر ماحول کے انتخابات کے نتائج درج ذیل ہیں۔

قاضی فائز عیسیٰ	چیئرپرسن
وکٹوریہ ڈی سوزا	وائس چیئرپرسن
امبر علی بھائی	جنرل سیکریٹری
نوید حسین	ایگزیکٹو ممبر
خطیب احمد	ایگزیکٹو ممبر

"شہری" کے ساتھ ایک شام

کراچی میں ماحول کے انحطاط کے مسئلے کے بارے میں عوام میں آگہی پیدا کرنے اور "شہری" کی انتظامیہ اور عملے کے اخراجات کے لئے فنڈز اکٹھا کرنے کی غرض سے شہریوں کو دعوت دی گئی کہ وہ کچھ وقت "شہری" کی ٹیم کے ساتھ گزاریں اور کراچی کے ماحول سے متعلق مسائل کے بارے میں تبادلہ خیال کریں۔ ممتاز تاجر اور کالم نویس اردشیر کاؤس جی مہمان خصوصی تھے جبکہ پروگرام کے رابطہ کار "شہری" کے ممبر مسٹر عمران جاوید تھے۔

شہری برائے بہتر ماحول کی جنرل سیکریٹری امبر علی بھائی نے شہری اور اس کی سرگرمیوں کا مختصر تعارف کرایا۔ شہری کے رکن رولینڈ ڈی سوزا نے ایک عام شہری کی ذمہ داریوں کے بارے میں اظہار خیال کیا۔

جناب اردشیر کاؤس جی نے رولینڈ ڈی سوزا اور امبر علی بھائی جیسے افراد کے "اپنی مدد آپ" کے جذبے کی تعریف کی اور کہا کہ شہری کی ٹیم مجموعی طور پر اپنی ذاتی اور پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں سے وقت نکال کر کراچی کے شہریوں کی اجتماعی بہبود کے لئے کام کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ "شہری" چونکہ ایک غیر منافع بخش رضاکار تنظیم ہے اسے شہریوں کی جانب سے بھرپور اخلاقی اور مالی مدد کی ضرورت ہے کیونکہ یہ انہی کے لئے ایک بہتر ماحول پیدا کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ جناب کاؤس جی نے مخیر حضرات اور تاجروں سے اپیل کی کہ وہ آگے بڑھیں اور شہری کے لئے عطیات دیں۔ جناب کاؤس جی نے خود بھی "شہری" کے لئے ایک بھاری رقم کا عطیہ دیا۔ اس موقع پر مقامی تاجروں مسٹر احمد ابراہیم اور کیپٹن فرخ نے بھی عطیات دینے کا اعلان کیا۔

اس موقع پر شہری ماحول کے مسائل سے متعلق یونیسف کی تیار کردہ ایک دستاویزی فلم کی بھی نمائش کی گئی۔

عمران جاوید نے پروگرام کی میزبانی کی

اردشیر کاؤس جی خطاب کر رہے ہیں

شاہ محمد مصباح، مصباح نجمی، نوید حسین، مقبول رحمت اللہ، فرحت عادل اور رولینڈ ڈی سوزا خطاب کر رہے ہیں

کے بی سی اے کی نگراں کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ

کراچی کے ماسٹر پلان اور متعلقہ اداروں کے بعض فرسودہ قواعد و ضوابط پر نظرثانی کی ضرورت ہے

"شہری" نے فریڈرک نومان فاؤنڈیشن کے تعاون سے کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی کارکردگی کے بارے میں ایک سیمینار منعقد کیا جس کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل تھے۔

○ پی سی اے ٹی پی، پی ای سی اور "آباد" کے قواعد و ضوابط اور اغراض و مقاصد کا جائزہ لینا تاکہ انہیں کراچی اور پاکستان کے ٹاؤن پلاننگ اور تعمیراتی قوانین اور کے بی سی اے کے طریق کار کے مطابق بنایا جاسکے۔

○ نگراں کمیٹی کی کارکردگی کا جائزہ لیا جاسکے۔

○ نگراں کمیٹی کی تشکیل اور اس ضمن میں پیدا ہونے والے مسائل کا جائزہ۔

○ کمیٹی کے ارکان کو اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں پیش آنے والے مسائل کا جائزہ لینا اور ان کا ایسا حل پیش کرنا جس سے ادارے میں شفاف پن، پیشہ ورانہ اور باہمی رابطے کو فروغ حاصل ہو، ہر ایک کے ساتھ انصاف ہو جس کے نتیجے میں ماحول بہتر ہوگا۔

○ گزشتہ نو برسوں کے دوران ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کے سلسلے میں "شہری" کے تجربات اور ان کی وجہ سے شہریوں کو درپیش مسائل کا جائزہ اور کراچی کے مستقبل کا طویل المیعاد جائزہ۔

مقررین

مسٹر مقبول رحمت اللہ (سابق وزیر ہاؤسنگ و ٹاؤن پلاننگ، حکومت سندھ)

جناب شاہ محمد مصباح (چیف کنٹرولر بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی)

ڈاکٹر جمیل احمد (چیئرمین پی ای سی)

جناب مصباح نجمی (چیئرمین پی سی اے ٹی پی)

جناب رولینڈ ڈی سوزا (ایف این ڈی، شہری کے نمائندے)

نوید حسین

"شہری" کے نوید حسین نے اپنی افتتاحی تقریر میں ایک ایسی طویل المیعاد

> **غیر قانونی تعمیرات میں بے لگام اضافے پر قابو پانے کے لئے کے بی سی اے کو عدالتی اختیار دیا جائے**

ہاؤسنگ و ٹاؤن پلاننگ پالیسی تشکیل دینے کی ضرورت پر زور دیا جس میں کچی آبادیوں (جو شہری آبادی کا ٦٠ فیصد ہیں) اور آبادی میں عمومی اضافے (شرح ٦ فیصد سالانہ) کے مسائل حل کرسکے۔ نوید حسین نے ماسٹر پلان پر بھی نظرثانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا جس پر اس وقت عمل نہیں ہو رہا ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ شہر کی مجموعی بہبود کی خاطر "آباد" پی سی اے ٹی پی، پی ای سی، کے بی سی اے اور دیگر فریقوں کو خود اپنا محاسبہ کرنا چاہئے، انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان اداروں کے بعض فرسودہ قواعد و ضوابط پر نظرثانی کی جائے۔

جناب مقبول رحمت اللہ

نے نگراں کمیٹی کا پس منظر بیان کیا اور ان حالات اور قاعد کا حوالہ دیا جن میں یہ کمیٹی قائم کی گئی تھی۔ انہوں نے ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کے سلسلے میں اپنے ذاتی تجربات بھی بتائے۔

جناب شاہ محمد مصباح

نے غیر قانونی تعمیرات کے مسئلے سے نمٹنے کے لئے نگراں کمیٹی کے ارکان کے کردار کی تعریف کی۔ انہوں نے غیر قانونی تعمیرات میں بے لگام اضافے کی مختلف وجوہات بتائیں جن میں آبادی کی سطح میں بے تحاشہ اضافہ، املاک کی قیمتوں میں اضافہ اور شہر کے پھیلاؤ میں افقی بجائے عمودی اضافہ شامل ہے انہوں نے کے بی سی اے کے قواعد و ضوابط پر نظرثانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور کے بی سی اے کو عدالتی اختیارات دینے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے ضلعی انتظامیہ، پولیس اور عدلیہ کے کردار پر بھی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے "آباد" کی جانب سے توہین عدالت کی درخواستیں دائر کر کے کے بی سی اے کے افسران کو ہراساں کرنے کی بھی مذمت کی۔ جناب مصباح نے کہا کہ اگر صارفین اور خریداروں میں کے بی سی اے کے قواعد اور طریق کار کے بارے

شاہ محمد مصباح

میں زیادہ معلومات و آگہی پیدا کی جائے تو اس سے صورتحال کو بہتر بنانے میں بہت مدد ملے گی۔ انہوں نے اس سلسلے میں متعدد سفارشات پیش کیں۔

جناب مصباح نجمی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ نگراں کمیٹی کا جس کے وہ خود بھی رکن ہیں کام سہولت و ہمواری سے نہیں ہو پاتا ہے بلکہ مختلف محکموں اور دیگر لوگوں کے درمیان مسلسل چپقلش ہوتی رہتی ہے۔ متعلقہ حکام کمیٹی کے ارکان کی سفارشات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ مسٹر نجمی نے تجویز پیش کی کہ چونکہ اس کاروبار کو دولت ہی کنٹرول کرتی ہے لہٰذا قانون شکنی کرنے والوں پر جو جرمانے اور سزائیں نافذ کی جائیں وہ مالی لحاظ سے بہت سخت ہونی چاہئیں۔ اس سے نہ صرف قوانین کی پابندی ہوگی بلکہ دولت ہی وہ زبان ہے جو قانون شکنی کرنے والے زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

"شہری" کے نمائندے رولینڈ ڈی سوزا نے سیمینار میں کمیٹی کی کارکردگی کے بارے میں اپنا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔

سفارشات

(ا) سیاسی سطح پر ناجائز تعمیرات سے نمٹنے کا پختہ عزم کیا جائے۔ اعلیٰ حکام (سیاسی یا نوکرشاہی) کی جانب سے ناجائز تعمیرات کی اجازت دینے کے سلسلے میں کوئی مداخلت نہ کی جائے۔

(ب) اختیارات کے غلط استعمال کو روکا جانا چاہئے۔

(ج) سندھ بلڈنگ کنٹرول آرڈی نینس کی دفعہ ۱۹ میں مناسب ترمیم کی جائے اور ان خلاف ورزیوں کی واضح طور پر نشاندہی کردی جائے جنہیں ریگولرائز کیا جاسکتا ہے اور جنہیں ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔

(د) کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کی منظوری سے پہلے ہی شہری سہولتوں کے اداروں کی جانب سے این او سی طلب کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔

(ہ) شہری سہولتوں کے اداروں کو ہدایت کی جائے کہ بلڈنگ پلان کی منظوری سے قبل وہ عارضی سروس فراہم نہ کریں اور کے بی سی اے کے تکمیلی سرٹیفکیٹ کے بغیر مستقل کنکشن نہ دیئے جائیں۔ تاہم درخواست گزار کی درخواست کی منظوری کسی بھی مرحلے پر کی جاسکتی ہے البتہ سروس اتھارٹی کی جانب سے تکمیل کے سرٹیفکیٹ کے اجراء سے پہلے ہرگز نہ دی جائے۔

(س) عدالتوں سے درخواست کی جائے کہ سول مقدمات میں حکم امتناعی جاری کرنے سے قبل وہ ان امور پر غور کرلیں۔

۱) دائرہ اختیار کا تعین

۲) متنازعہ تعمیر کی معائنہ رپورٹ اور تصاویر کے ذریعے اس کی تازہ ترین صورت حال کا تعین کرلیں۔

۳) کے بی سی اے، ضلعی انتظامیہ اور پولیس کی کارروائی کے خلاف حکم امتناعی کی قانونی حیثیت

۴) صورت حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے کی پابندی بلڈر اور کے بی سی اے دونوں پر عائد کی جائے۔

(ص) ایک اسپیشل جج اور ایک ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج مقرر کئے جائیں جن کا دائرہ اختیار صرف کراچی بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی ہو۔

(ط) تمام سہولتوں سے لیس پولیس کا خصوصی دستہ چیف کنٹرولر آف بلڈنگز کی ماتحتی میں دیا جائے۔

(ف) نگراں کمیٹی کی سفارشات کے مطابق زوننگ اور تعمیرات کے قوانین میں ترمیم کی جائے۔

(ق) کے بی سی اے کی جانب سے جاری کئے جانے والے این او سی میں ایسی شرائط شامل کی جائیں جن سے عوام کے حقوق اور مفادات کا تحفظ ہو۔

شاہ محمد مصباح
چیف کنٹرولر آف بلڈنگز، کے بی سی اے

بقیہ ⇦ شہری زندگی کا دباؤ

سماجی سطح پر اس کا اظہار منشیات پر انحصار، جرائم، ذہنی امراض، تشدد، قتل، خودکشی اور منفی سیاست کی شکل میں ہوتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر اس کا اظہار بے حسی اور لاتعلقی، پریشانی، ڈپریشن، نیند نہ آنا، توہم اور خوف کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کے باوجود ذہنی دباؤ سے پیدا ہونے والے بڑے مسائل میں ذہنی اور جسمانی بیماریاں اور بظاہر کسی بیماری یا معذوری کے خود کو بیمار ظاہر کرنا شامل ہیں۔ چونکہ وہ اس کا تعلق ذہنی دباؤ سے نہیں بتاتے اس لئے ان شکایات پر توجہ نہیں دی جاتی یا پھر انہیں غیرضروری طور پر وٹامنز اور ٹانکوں کی بھرمار کردی جاتی ہے اور حال ہی میں نام نہاد دماغ کو قوت دینے والی ادویات دی جانے لگی ہیں۔ اگرچہ مکمل اعدادوشمار دستیاب نہیں ہیں تاہم چند جائزوں سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ ہماری آبادی کا ۵۰ فیصد حصہ صورتحال سے نمٹنے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی سے اس عذاب کو بھگت رہا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کے مطابق "صحت" صرف ایک بایو میڈیکل مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر فرد کے سماجی، ثقافتی، نفسیاتی، معاشی اور سیاسی عوامل بھی اثرانداز ہوتے ہیں۔ سندھ میں اور خصوصاً "کراچی میں یہ تمام عوامل منفی انداز میں بڑی شدت کے ساتھ کارفرما ہیں اور ہر قسم کے ایسے دباؤ پیدا کررہے ہیں جا نارمل انداز میں زندہ رہنے کے لئے سازگار حالات نہیں ہیں۔ بڑے پیمانے پر معمولی بیماریاں، محض زندہ رہنا اور معمولی کارکردگی ایسے مسائل ہیں جن پر فوری طور پر اور محض طبی معائنہ سے بڑھ کر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(پروفیسر ایس ہارون احمد ملک کے ممتاز سائیکاٹرسٹ اور انسانی حقوق کے ایکٹویسٹ ہیں) (آئی پی سی فیچر سروس)

فرحان انور

پاکستان کے قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات

ایک تنقیدی جائزہ

قومی ماحولیاتی کوالٹی معیارات (این ای کیو ایس) حکومت پاکستان نے ۲۹ اگست ۱۹۹۳ء کو جاری کئے تھے۔ ان کا اطلاق میونسپلٹیوں اور گاڑیوں پر فوری طور سے ہونا تھا۔ این ای کیو ایس کے آخری مرحلے کے نفاذ کے لئے جن کا اطلاق زیادہ تر صنعتوں پر ہونا تھا آخری تاریخ یکم جولائی ۱۹۹۶ء مقرر کی گئی تھی۔ اس اعلان کے ساتھ ہی این ای کیو ایس کے بارے میں گرما گرم بحث شروع ہوگئی تھی۔ جو لوگ ان معیارات کی مخالفت کر رہے تھے وہ انہیں ترقی کا دشمن قرار دے رہے تھے جبکہ اس کی حمایت کرنے والوں کا موقف تھا کہ این ای کیو ایس ملک کی پائیدار ترقی کی کلید ہے۔ این ای کیو ایس پر عملدرآمد سے ہمارے ملک کی معاشی ترقی پر طویل المیعاد اثرات مرتب ہوں گے لہٰذا ایک غیرجانبدارانہ جائزے کی ضرورت ہے۔

کسی بھی حکومت کو جو ماحولیاتی کوالٹی معیارات کے تعین اور نفاذ کے مسئلے سے دوچار ہو سب سے پہلے آلودگی کو کنٹرول کرنے کی لاگت اور اسکے مقابلے میں دوسرے مقاصد مثلاً تعلیم‘ رہائش‘ معاشی ترقی وغیرہ کی لاگت کا موازنہ کرنا چاہیے۔ لہٰذا نہ صرف اس بات کا فیصلہ کیا جانا چاہیے کہ آلودگی کی روک تھام کی جائے بلکہ اس بات کا بھی فیصلہ کیا جائے کہ کتنی آلودگی اور کس قسم کی آلودگی کو کس جگہ پر کنٹرول کیا جائے۔

یہ محسوس ہوتا ہے کہ این ای کیو ایس ہماری ترجیحات پر پورا نہیں اترتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صنعتی شعبے کو سب سے زیادہ آلودگی پھیلانے والا شعبہ قرار دیا گیا ہے اور بیشتر کوششوں کا مقصد صنعتوں کو مقررہ معیارات کا پابند بنانا ہے۔ یہ بات عجیب لگتی ہے کہ بڑی پروسیس انڈسٹریز کے اعتبار سے ملک کی صنعتی بنیاد کچھ زیادہ وسیع نہیں ہے اور صنعتی آلودگی کا اثر محدود ہے۔

بعض ماہرین کا اصرار ہے کہ این ای کیو ایس کے ذریعے صحت عام اور قوم کے قدرتی وسائل کے تحفظ کی ترجیحات متعین کردی جائیں۔ دستیاب خبروں اور سروے سے ان دوسرے ذرائع کی نشاندہی ہوتی ہے جو آلودگی کا باعث بن رہے ہیں اور صنعتوں کے مقابلے میں زیادہ خطرات پیدا کر رہے ہیں۔ ان ذرائع میں کچرے کو ٹھکانے لگانے کا انتظام‘ پینے کے پانی میں آلودگی‘ خام سیوریج پانی کو بہانا‘ جنگلات کی کٹائی کے باعث صحرا گری‘ سیم اور تھور شامل ہیں۔ آلودگی کے ایسے ذرائع جو کسی ایک مقام تک محدود نہیں مثلاً کھیتوں سے کھاد‘ کیڑے مار اور جڑی بوٹیاں تلف کرنے والی دواؤں کا بہاؤ اور اسکارپ ٹیوب ویلوں کا پانی ہمارے دریاؤں کے پانی کے معیار کو متاثر کر رہے ہیں۔

گزشتہ برسوں کے دوران ملک کے وسائل کو متعین کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ کیا کوئی شخص یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ دریائے سندھ میں آلودگی کی سطح حتمی طور پر کتنی ہے اور کن ذرائع سے ہمارے آبی وسائل کو کتنا نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایسے اہم اعداد و شمار کی عدم موجودگی میں ہم کس طرح کوئی حقیقت پسندانہ معیارات نافذ کرسکتے ہیں اور پھر یہ معیارات بھی ہر علاقے کی مناسبت سے ہونے چاہئیں۔ این ای کیو ایس پورے ملک کے لئے استعمال شدہ پانی اور دھوئیں کے اخراج کے معیارات مقرر کرتا ہے۔ پاکستان میں انتہائی متنوع ماحولیاتی ڈھانچے ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ یکساں ملک گیر معیارات کے بجائے این ای کیو ایس کے علاقائی معیارات مقرر کئے جائیں۔

ماہرین کے مطابق اس بے قاعدگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ معیارات مقرر کرنے کا یہ عمل دستیاب ٹیکنالوجی‘ افرادی قوت‘ معاشی حالات اور ملک کی ماحولیاتی خصوصیات کا تعین کئے بغیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان کا موقف یہ ہے کہ ماحولیاتی کوالٹی معیارات کا تعین کرتے ہوئے ہمیشہ مقامی طور پر دستیاب موجودہ ٹیکنالوجی اور تحقیق و ترقی کے تجربات کی سطح کو پیش نظر رکھا جائے۔

پاکستان میں چونکہ آلودگی کنٹرول کرنے کی ٹیکنالوجی کو ترقی دینے کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی اس لئے اگر یہ ٹیکنالوجی دستیاب بھی ہو تو لوگوں کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ ٹیکنالوجی درآمد کی جائے گی۔ ایسے مہنگے آلات کی درآمد کی لاگت بہت زیادہ ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں تو اتنی قیمت میں ایک نئی انڈسٹری لگ سکتی ہے۔

ایک ایسے ملک کے لئے یہ مشکل فیصلے ہیں جو کہ اپنی صنعتی بنیاد وسیع کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہو اور وہ بھی عالمی منڈی کے بڑھتے ہوئے مسابقتی ماحول میں کم سے کم وقت میں۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف اقوام اپنے ماحولیاتی قوانین اپنی صنعتی ترقی کی سطح اور مقامی طور پر دستیاب ٹیکنالوجی کے معیار کو پیش نظر رکھ کر بناتی

> **ہمارے ملک میں انتہائی متنوع ماحولیاتی ڈھانچے ہیں جن کا تقاضہ ہے کہ یکساں ملک گیر معیارات کے بجائے این ای کیو ایس کے علاقائی معیارات مقرر کئے جائیں**

باقی صفحہ ۱۴ پر

سلیقہ انور

کچرا سونا ہے!

گل بہاؤ کا نعرہ

کراچی میں روزانہ سات ہزار ٹن ملا جلا کچرہ نکلتا ہے؟ اور اس کچرے میں ۱۴ فیصد یعنی ایک ہزار ٹن کاغذ ہوتا ہے۔ یہ ردی کاغذ' کاغذ کی کوالٹی کے مطابق ۲ ہزار روپے سے ٦ ہزار روپے فی ٹن فروخت ہوتا ہے یعنی ۲۰ لاکھ روپے سے ٦۰ لاکھ روپے یومیہ۔ اس طرح مجموعی کچرے کا ۷ فیصد پلاسٹک ہوتا ہے جسے اگر روپوں میں تبدیل کیا جائے تو یہ بھی نصف کروڑ روپے یومیہ ہوتا ہے۔ دوسری فالتو اشیاء مثلاً پلاسٹک' شیشہ' کاغذ' دھات وغیرہ کی مالیت ایک کروڑ روپے یومیہ ہوتی ہے۔

اصولاً" ہونا تو یہ چاہئے کہ اس کچرے کا انتظام بلدیاتی ادارے کریں۔ کراچی میں کے ایم سی (کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن) ٹھوس کچرے کو جمع کرنے اور ٹھکانے لگانے کی ذمہ دار ہے۔ بدقسمتی سے جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کے ایم سی اس سلسلے میں خدمات کا ایک قابل قبول معیار فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔ کے ایم سی روزانہ نکلنے والے کچرے کا صرف ۳۰ فیصد جمع کرتی ہے اور پھر کچرے کی ری سائیکلنگ بھی نہیں کرتی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں نرگس لطیف اپنے اس نعرے کے ساتھ سامنے آتی ہیں کہ "کچرہ سونا ہے! اسے یونہی مت پھینکئے!" انہوں نے گل بہاؤ بنائی اور وہ اس کی مینجنگ ٹرسٹی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گل بہاؤ' کچرہ جمع کرنے کا ایک باعزت طریقہ ہے۔ یہ کباڑی والے کا جدید انداز ہے۔ جہاں لوگ آتے ہیں اور ایک صاف ستھرے ماحول میں خشک کچرہ فروخت کر جاتے ہیں اور گیلے کچرے کی کھاد بنوالیتے ہیں۔ اس طرح کچرے کو گلیوں' سڑکوں اور کھیل کے میدانوں میں پھینکنے کا طریقہ ختم ہو جاتا ہے۔

گل بہاؤ' شون سرکل کے قریب کلفٹن میں کلفٹن سینٹر کے قریب ایک جھونپڑی میں کام کر رہی ہے۔ اس کی سربراہ نرگس لطیف ہیں۔ ان کے ساتھ مخلص کارکنوں کی ایک ٹیم ہے جو رضیہ' محمد اکبر' مسز ممتاز مشتاق اور غلام علی پر مشتمل ہے۔ رضیہ اور محمد اکبر اتوار کے سوا ہر روز صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک وہاں آپ کا کچرہ لینے کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹی سی ٹیم اور ان کا معمولی ماحول ہے لیکن یہ سب جوش و جذبے سے سرشار ہیں۔

ہمیں بتایا گیا کہ خشک اور گیلے کچرے کو گھر پر ہی الگ الگ کرلیا جائے۔ خشک کچرہ ہر قسم کے کاغذ' پلاسٹک' شیشے' کپڑے اور دھاتی اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے جبکہ گیلا کچرہ سبزیوں اور پھلوں کے چھلکوں' انڈے کے چھلکوں' پتوں اور بچے کھچے کھانے پر مشتمل ہوتا ہے۔

گل بہاؤ میں کاغذ ۲ روپے فی کلو فروخت کیا جاسکتا ہے جبکہ پلاسٹک ٦ روپے فی کلو خریدا جاتا ہے۔ صفائی/کمائی بینک ایک علیحدہ ادارہ ہے جہاں گیلے کچرے کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ گیلی اشیاء کمپوسٹنگ اور "ٹھنڈی میٹھی کھاد" بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ سبزیوں اور پھلوں کے چھلکوں کو پیسنے کے لئے گھروں میں استعمال ہونے والی قیمے کی ہاتھ سے یا بجلی سے چلنے والی مشین استعمال کی جاسکتی ہے۔ پھر اسے باہر دھوپ میں سکھالیا جاتا ہے۔ یہ پسا ہوا کچرہ تیزی سے کھاد بن جاتا ہے۔

شون سرکل پر صفائی کمائی بینک میں لوگ اپنا کچرہ فروخت کرنے کے لئے لاتے ہیں جہاں پہلے اسے اس کے مشتملات کی بنیاد پر الگ الگ تولا جاتا ہے۔ یکجا کیا جاتا ہے اور صاف ستھرے بنڈلوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔

نرگس لطیف کا کہنا ہے کہ عوام کا ردعمل بہت اچھا ہے تاہم وہ محسوس کرتی ہیں کہ ابھی معلومات اور شعور کی اس سطح کا فقدان ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ٹیلی ویژن جیسے طاقتور ذریعہ ابلاغ کی مدد سے عوام میں یہ تحریک پیدا کی جائے کہ وہ ہر روز اپنے خشک اور گیلے کچرہ کو الگ الگ کرلیا کریں اور یہی اس پروگرام کی کامیابی کی کنجی ہے۔

گل بہاؤ ایک اور پروگرام پاکستان کی گولڈن جوبلی تقریبات کے حوالے سے شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس کا نام "کراچی سے پہلی بار دنیا کے لئے" ہوگا۔ یہ کے ایم سی کے ساتھ ایک مشترکہ منصوبہ ہوگا۔ تاہم نرگس لطیف محسوس کرتی ہیں کہ اس پروگرام کو جاری رکھنے اور مزید آگے بڑھانے کے لئے بہت زیادہ فنڈز کی ضرورت ہوگی۔

(سلیقہ انور ماحولیات کی سرگرم کارکن اور شہری کی رکن ہیں)

ٹھنڈی میٹھی کھاد کا استعمال

رضیہ اپنے کام سے خوش ہیں

ماحولیاتی شہر... ہیلی فیکس

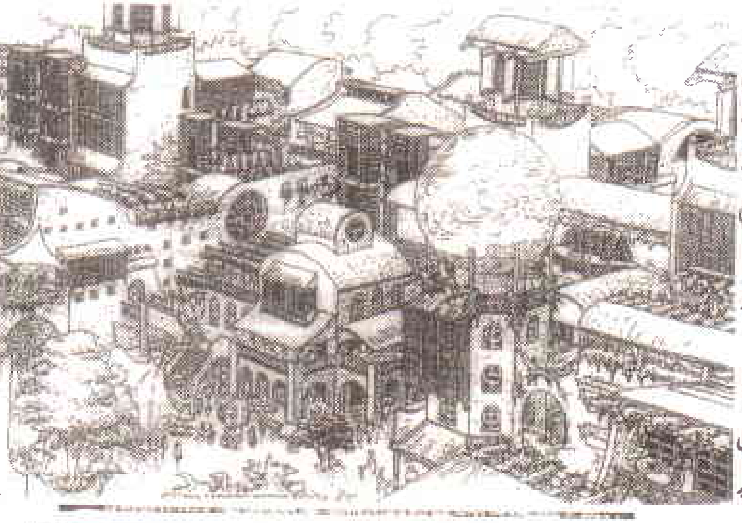

> سولر کاروں کے ضرورت سے زیادہ انحصار کی وجہ سے دس لاکھ آبادی والے شہر کو گرد اور شدید دھوئیں کی آلودگی کا سامنا کرنا پڑا

جنوبی آسٹریلیا کے تدنایا بایوریجن کے وسط میں ہیلی فیکس ایکوسٹی پراجیکٹ شروع کیا گیا ہے۔ یہ پراجیکٹ اربن ایکولوجی آسٹریلیا نے شروع کیا ہے جو اقوام متحدہ سے منسلک ایک غیر سرکاری تنظیم اور جنوبی آسٹریلیا کی تحفظ ماحول کونسل کی رکن ہے، ان کے شریک کار ایکوپولیس (پارٹی) لیمٹڈ ہیں جو ایکولوجی آرکیٹکچر اور پلاننگ کے مشیر ہیں۔ ایکوسٹی پراجیکٹ ایک ایسا منصوبہ ہے جس میں ۲ء۴ ہیکٹر (۶ ایکڑ) رقبے کو ایک جدید شہر کے طور پر ترقی دی جائے گی۔ اس میں رہائشی کے علاوہ تجارتی اور کمیونٹی سہولتیں موجود ہوں گی۔ زیادہ زور متوسط اور کم آمدنی والوں کے لئے مکانات پر دیا جائے گا۔

ایکوسٹی پراجیکٹ والوں کا کہنا ہے کہ شہروں کا مالک شہریوں کو ہونا چاہئے۔ عام طور پر سرمائے کا کنٹرول ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو صرف منافع کمانے کے لئے تعمیر کرتے ہیں انہیں شہروں کو خوبصورت اور صحت بخش بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

ایڈیلیڈ شہر

۱۸۳۶ء میں برطانیہ نے پہاڑیوں اور سمندر کے درمیان میدانی علاقے میں ایڈیلیڈ شہر کی بنیاد رکھی اور پھر یہ شہر بڑھتا چلا گیا۔ آج ایڈیلیڈ دس لاکھ آبادی کا شہر ہے جس میں جدید شہروں کی تمام سہولتیں اور مسائل موجود ہیں۔ شہر شمالاً جنوباً ۹۰ کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے پہاڑیوں اور سمندر کی جغرافیائی حدود کی وجہ سے مشرقی اور مغربی سمت میں شہر کی توسیع مشکل تھی۔ زبردست پھیلاؤ کی وجہ سے اس نئے شہر کو کاروں پر ضرورت سے زیادہ انحصار کرنا پڑا صرف دس لاکھ آبادی والے اس شہر کو دھوئیں اور گرد کی اس سطح کا سامنا کرنا پڑا جس کی نسبتاً بڑے شہروں میں بھی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایڈیلیڈ کی فضائی آلودگی نظر نہ آنے والی ہے کیونکہ زیادہ تر کارخانے رہائشی علاقوں میں یا ان کے قریب واقع ہیں۔

آب رسانی کے لئے اس شہر کو زیادہ تر آسٹریلیا کے واحد بڑے دریائی نظام "مرے ڈارلنگ" پر انحصار کرنا پڑتا ہے (عموماً ۵۰ فیصد اور خشک سالی کے برسوں میں ۹۰ فیصد تک) پانی دریا سے پمپ کر کے ۶۰ کلومیٹر پہاڑیوں اور میدانوں سے گزر کر شہر کے آبی ذخیرے تک پہنچتا ہے۔ شہر کا آب رسانی کا نظام فرسودہ اور پرانا ہے سیوریج کا نظام بڑھتی ہوئی ضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا، نتیجہ یہ ہے کہ ۱۹۹۵ء میں سیوریج ابل کر میٹروپولیٹن ساحل تک پہنچ گیا۔ ہر سال لاکھوں ملین لیٹر سیوریج کا پانی سمندر میں بہادیا جاتا ہے۔ مقامی طور پر کوئلے کے وسائل نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایڈیلیڈ میں آدھی بجلی قدرتی گیس جلا کر بنائی جاتی ہے۔

دنیا کے خشک ترین براعظم میں جنوبی آسٹریلیا سب سے زیادہ خشک ریاست ہے۔ لیکن ۱۸۳۶ء میں آبپاشی کا جو نظام یہاں لایا گیا تھا وہ شمالی یورپ کا نظام تھا۔ کاشتکاری کے ذاتی طریقوں کی وجہ سے یہاں زمین پر بڑے پیمانے پر مسائل کا سامنا ہے جن میں جنوبی آسٹریلیا کے دیہی علاقوں میں زمینی کاٹ اور تھور کے مسائل شامل ہیں۔ یہ وہ چند مسائل ہیں جن کی وجہ سے ایکوسٹی پراجیکٹ شروع کرنے والوں نے دنیا کے پہلے ایکوسٹی کے طور پر ایڈی لیڈ کا انتخاب کیا۔ اس شہر کا انتخاب اس منصوبے میں شہر کے لوگوں کے تعاون اور شرکت کی وجہ سے کیا گیا۔

اقوام متحدہ کا اندازہ ہے کہ اس صدی کے اختتام کے تھوڑے عرصے بعد ہی انسانوں کی نصف سے زیادہ تعداد شہروں میں رہ رہی ہوگی۔ عالمی سطح پر فطری نظام حیات کی تباہی کے ذمہ دار شہری ہیں لہٰذا شہروں کو ہی ایکولوجی کے عالمی مسئلے کا حل بننا چاہئے۔ ہیلی فیکس ایکوسٹی پراجیکٹ فطری نظام حیات کو برقرار رکھتے ہوئے ترقی کی ایک مثال ہوگا۔